مولانا عبدالعلیم فاروقی ☆

حضرات شیخین حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی نظر میں

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب نبی کریم ﷺ کو رسول رحمت بنا کر بھیجا اور آپ کی تعلیم وتربیت میں وہ قوتِ تاثیر رکھی کہ مدتوں کے جانی دشمن آپ ﷺ کے حلقۂ محبت میں آتے ہی وحدتِ اسلامی اور اخوتِ ایمانی کی لڑی میں گندھتے چلے گئے۔ارشاد خداوندی ہے:

''مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ''

کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور آپ کے ساتھی آپس میں بڑے رحم دل ہیں''

ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کی باہمی محبت اور الفت کو نبی کریم ﷺ کا معجزہ اور اپنی قدرت کی خاص نشانی قرار دیا ہے، ارشاد فرمایا:

''وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖ إِخْوَانًا''

''اور یاد کرو احسان اللہ کا اپنے اوپر جبکہ تم باہم دشمن تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کر دی پھر تم خدا کے فضل سے بھائی بھائی ہو گئے''

یہی مضمون ایک دوسری آیت میں اس طرح ہے:

''هُوَ الَّذِيْٓ أَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ لَوْ أَنفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيْعًا مَّا أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ أَلَّفَ بَيْنَهُمْ إِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ''

''وہی اللہ ہے جس نے اے نبی! آپ کو اپنی مدد سے اور ایمان والوں سے قوت دی اور ان کے دلوں میں الفت پیدا کر دی، اگر آپ روئے زمین کی تمام دولت خرچ کر دیتے تو بھی ان کے

☆ مہتمم دار المبلغین لکھنؤ، وناظم عمومی جمعیۃ العلماء ہند

دلوں میں الفت پیدا نہ کر سکتے؛ لیکن اللہ نے ان میں باہم الفت پیدا کر دی، بیشک وہ غالب حکمت والا ہے''

خداوند کریم نے اس آیت میں خبر دی کہ صحابۂ کرام ؓ میں قبل اسلام باہم سخت عداوت تھی کہ اس کا دور کر دینا انسانی طاقت سے بالاتر تھا، حتیٰ کہ سید الانبیاء ﷺ کی بابت فرمایا کہ آپ بھی تمام دنیا کی دولت خرچ کر کے ان کی عداوت زائل نہ کر سکتے تھے، خداوند کریم نے اپنی قدرتِ کاملہ سے اس عداوت کو دور کر کے ان میں باہم الفت پیدا کر دی کہ وہ بھائی بھائی ہو گئے۔ ان کی اس باہمی الفت کو خدا نے اپنی نعمت فرمایا اور اپنی قدرتِ کاملہ کا ایک نمونہ قرار دیا۔

قرآن کریم کی یہ آیات صحابہ کرامؓ کی آپسی محبت اور تعلق پر واضح اور قطعی دلیل ہیں، اس کے باوجود اگر ان میں کبھی اختلافِ رائے ہوا تو اس میں کوئی خدائی حکمت ضرور ہے، یوں سمجھنا چاہئے کہ ان کے اختلافات کا مقصد یہ تھا کہ امت کے سامنے اختلافِ رائے اور نزاع کی حدود و قیود کی صورت کے مسائل واضح ہو جائیں؛ لیکن مشاجراتِ صحابہ ؓ یعنی ان کے باہمی جھگڑوں کا بیان کرنا اور تبصرہ کرنا حرام ہے مگر بضرورتِ شرعی اور بنیتِ نیک اور جن صحابہ کرامؓ میں باہم کوئی جھگڑا ہوا ہو، تو ہمیں دونوں کی طرف سے حسنِ ظن رکھنا اور دونوں کا ادب کرنا لازم ہے، مثلاً حضرت علی مرتضیٰ ؓ کو اپنے زمانۂ خلافت میں دو خانہ جنگیاں پیش آئیں، اول جنگِ جمل اور دوم جنگِ صفین۔ پہلی جنگ میں ایک جانب حضرت علی مرتضیٰ ؓ تھے اور دوسری جانب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تھیں اور ان کے ساتھ حضرت طلحہ ؓ اور زبیر ؓ جو عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں، دونوں جانب اکابر صحابہ ؓ تھے، مگر یہ لڑائی دھوکہ میں چند مفسدوں کی حیلہ سازی سے پیش آگئی، ورنہ ان میں باہم نہ رنجش تھی نہ آپس میں لڑنا چاہتے تھے

مفسدوں کی فتنہ پردازی ہوئی　　　باعثِ خوں ریزیٔ جنگِ جمل
ورنہ شیرِ حق سے طلحہؓ اور زبیرؓ　　　چاہتے ہرگز نہ تھے جنگ وجدل

اس لڑائی میں ہر فریق سے دوسرے کے فضائل منقول ہیں۔

دوسری جنگ صفین، اس جنگ میں ایک جانب حضرت علی ؓ اور دوسری طرف حضرت معاویہ ؓ تھے، اس لڑائی کے متعلق اہل سنت کا فیصلہ ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ ؓ خلیفۂ برحق تھے اور حضرت معاویہ ؓ اور ان کے ساتھ والے باغی اور خاطی، مگر اس خطا پر ان کو برا کہنا جائز نہیں؛ کیوں کہ وہ بھی صحابی ہیں اور صاحبِ فضائل ہیں اور ان کی یہ خطا غلط فہمی کی وجہ سے تھی اور غلط فہمی کے اسباب موجود تھے، ایسی خطا کو خطائے اجتہادی کہتے ہیں، جس پر عقلاً و شرعاً کسی طرح مواخذہ نہیں ہو سکتا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ازالۃ الخفا میں فرماتے ہیں:

''باید دانست کہ معاویہ بن ابی سفیان ؓ یکے از اصحابِ آنحضرت ﷺ بود و صاحبِ فضیلتِ جلیلہ در زمرۂ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم زینہار در حق او سوءِ ظنی نہ کنی و در ورطۂ سبِّ او نیفتی تا مرتکبِ حرام نہ شوی''

''جاننا چاہئے کہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کے ایک صحابی تھے اور زمرۂ صحابہ میں بڑی فضیلت والے تھے، خبرداران کے حق میں بدگمانی نہ کرنا اوران کی بدگوئی میں پڑ کر فعلِ حرام کے مرتکب نہ بننا''

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ابتداءً تو باغی تھے، مگر حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی صلح و بیعت کے بعد وہ بلاشبہ خلیفۂ برحق ہو گئے۔

حضرات شیخین ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما اور سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے درمیان کسی قسم کی نفرت وعداوت اور دشمنی بیان کرنا دشمنانِ صحابہ کا طریق ہے اور قطعی دلائل، یقینی واقعات اور تاریخی شواہد کا انکار کرنا ہے، حدیث میں ان مقدس اور پاکباز حضرات کے درمیان پوری فراخدلی اور وسعتِ قلبی کے ساتھ ایک دوسرے کے لئے ہمدردی، خیرخواہی اور محبت و یگانگت کے واقعات موجود ہیں، جن میں ایک دوسرے کی زبان سے فریقین کے فضائل ومناقب بیان ہوئے ہیں، ازانجملہ ترمذی میں حارث سے اورامام زین العابدینؒ سے اورزوائد میں امام حسن رضی اللہ عنہ سے اورابن ماجہ میں حارث سے منقول ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''قال کنت مع رسول الله ﷺ اذاطلع ابوبکر و عمر فقال رسول الله ﷺ هذان سيداكهول اهل الجنة من الاولين والآخرين الا النبيين والمرسلين '' (ترمذی شریف :۲/۲۶۰)

''میں (ایک دن) رسول خدا ﷺ کے ہمراہ تھا کہ یکایک ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ دور سے آتے ہوئے دکھائی دیئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ دونوں تمام اگلے اور پچھلے پیرانِ اہل جنت کے سردار ہیں سوائے نبیوں اور رسولوں کے''

ایک موقعہ پر سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''خير الأمة بعد نبيهاأبو بكر و عمر''

''اس امت میں نبی کے بعد سب سے بہتر ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں، پھر عمر رضی اللہ عنہ''

یہ روایت صحیح بخاری میں ہے اور شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے منہاج السنہ میں اوراسی طرح حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے بھی اپنی مشہور کتاب ''ازالۃ الخفاء'' میں اس حدیث کو نقل کر کے لکھا ہے کہ

''رواه ثمانون نفساعن علي بن أبي طالب''

''یعنی اسی آدمیوں نے اس قول کو حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے''

حافظ الحدیث علامہ ابن عبدالبر نے استیعاب میں اور علامہ ابوالقاسم نے کتاب السنہ میں ایک روایت لکھی ہے کہ جب حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو خبر ملی کہ کچھ لوگ مجھے ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیتے ہیں تو آپ نے منبر پر ایک خطبہ پڑھا اور فرمایا:

''لايفضلني احد علىٰ ابي بكر و عمر الاجلدته حد المفتري''

''جو شخص مجھے ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ سے افضل کہے گا اس کو میں مفتری کی سزا دوں گا، یعنی اسی . رے مارو ں گا''

صحیح بخاری، مسند احمد، مستدرک حاکم اور امام محمدؒ کی کتاب الآثار میں یہ روایت متعدد اسانید سے مروی ہے کہ جب حضرت عمرؓ شہید ہوئے اور ان کا جنازہ لاکر رکھا گیا تو حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ آئے اور انہوں نے میرے دونوں شانوں پر ہاتھ رکھ لیا اور حضرت عمرؓ کے لئے دعائے رحمت مانگی اور یہ کلمات ارشاد فرمائے کہ'' آپ نے اپنے بعد کوئی ایسا شخص نہیں چھوڑا کہ میں اس کے جیسے اعمال کے ساتھ اللہ سے ملنے کی آرزو کروں''۔

شیعوں کی معتبر اور مستند کتابوں میں بھی اس طرح کی روایات موجود ہیں جن میں حضرات شیخینؓ کے لئے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہ کی زبانِ مبارک سے محبت بھرے الفاظ اور تحسین کے کلمات پائے جاتے ہیں، نہج البلاغہ میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ایک خط ہے جو آپ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھا تھا، جس کو تمام شارحین نہج البلاغہ نے نقل کیا ہے، ہم اس کو علامہ ابن میسم بحرانی کی شرح نہج البلاغہ مطبوعہ تہران سے نقل کرتے ہیں:

'' وكان افضلهم فى الاسلام كمازعمت وانصحهم لله ولرسوله الخليفة الصديق وخليفة الخليفة الفاروق ولعمرى ان مكانهمافى الاسلام لعظيم وان المصاب بهماالجرح فى الاسلام شديد يرحمهما الله وجزاهماباحسن ماعملا''

''اور اسلام میں سب سے افضل اور اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ اخلاص رکھنے میں سب سے بڑھ کر جیسا کی تم نے بیان کیا خلیفہ صدیقؓ تھے اور خلیفہ کے خلیفہ فاروقؓ، اور قسم مجھے اپنی جان کی کہ بہ تحقیق ان دونوں کا مقام اسلام میں بڑا ہے اور بہ تحقیق ان کی وفات سے اسلام کو سخت زخم پہونچا، اللہ ان دونوں پر رحمت نازل کرے اور ان کو ان کے اچھے کاموں کا بدلہ دے''

اسی طرح دو سخت اور نازک موقعوں پر حضرت عمرؓ کا حضرت علیؓ سے مشورہ لینا اور حضرت علیؓ کا ان کو نہایت اخلاص اور دلی محبت وعقیدت کے ساتھ مشورہ دینا مذکور ہے، نہج البلاغہ جلد اول ص ۲۷۱ مطبوعہ میں ہے:

''ومن كلام له عليه السلام وقد شاوره عمر فى الخروج الىٰ غزوة الروم بنفسه وقد توكل الله لاهل هذاالدين باعزاز الحوزة وستر العورة والذى نصرهم وهم قليل لا ينتصرون ومنعهم وهم قليل لا يمتنعون حتى لايموت انك متىٰ تصير الىٰ هذا العدو بنفسك فتلقهم فتنكب لاتكن للمسلمين كانفة دون اقصىٰ بلادهم فليس بعدك مرجع يرجعون اليه فابعث اليهم رجلامجر باواحفر معه

اهل البلاء والنصيحة فان اظهره الله فذالك ماتحب وان تكن الاخرىٰ كنت رِدءً للناس و مثابة للمسلمين'' (نهج البلاغه :۱۴۰/۱،مطبوعه لاهور)

''جناب امیر علیہ السلام کا یہ کلام اس وقت کا ہے جبکہ حضرت عمرؓ نے جنگِ روم میں خود اپنے جانے کے لئے ان سے مشورہ لیا ہے،'' بہ تحقیق اللہ اس دین والوں کے لئے ذمہ دار ہے ان کی جماعت کو عزت دینے اور ان کی کمزوریوں کو چھپانے کا، اور جس نے ان کو اس حال میں مدد دی کہ وہ کم تھے فتح نہیں پا سکتے تھے اور اس حال میں ان کو محفوظ رکھا کہ وہ کم تھے محفوظ نہیں رہ سکتے تھے وہ اللہ اب بھی زندہ ہے اور کبھی نہیں مرے گا، بہ تحقیق جس وقت دشمن کے سامنے خود جائیں گے اور خود ان سے مقابلہ کریں گے تو اگر کہیں شہید ہو گئے تو پھر مسلمانوں کو کوئی جائے پناہ ان کے آخری شہروں تک نہیں ملے گی کیونکہ آپ کے بعد کوئی شخص ایسا نہیں جس کی طرف مسلمان رجوع کریں، لہٰذا آپ کسی تجربہ کار شخص کو ان کی طرف روانہ کیجئے اور اس کے ساتھ آزمودہ کار اور خیر خواہ لوگوں کو بھیجئے تا کہ اگر اللہ ان کو غلبہ دے تو یہی آپ کا مقصود ہے اور اگر خدانخواستہ کوئی دوسری بات ہوئی تو آپ مسلمانوں کے لئے جائے پناہ اور ان کے مرجع ہیں''

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے یہ کلمات غور سے پڑھئے اور دیکھئے کیسی محبت اور کیسی عقیدت ان کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھی، ان کلمات سے جو نتائج نکلتے ہیں وہ بھی ملاحظہ ہوں:

۱) حضرت عمر رضی اللہ عنہ سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنا محبِّ مخلص جانتے تھے، مشورہ اسی سے طلب کیا جاتا ہے جس کی محبت اور اخلاص پر پورا اعتماد ہو۔

۲) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس دین کے متعلق جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تھا اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کا تھا فرمایا کہ اللہ اس کی عزت کا ذمہ دار ہے اور اس دین والوں کو خدا نے بے سروسامانی میں مدد کی ہے وہ اب بھی موجود ہے۔

۳) حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ذات کو بے مثل اور بے نظیر جانتے تھے اور ان کا یہ اعتقاد تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد مسلمانوں کو روئے زمین میں کہیں پناہ نہیں مل سکتی۔

۴) حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ کو مسلمانوں کا مددگار اور ملجا و ماویٰ فرمایا۔

۵) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو میدانِ جنگ میں جانے سے روکا کہ مبادا وہ شہید نہ ہو جائیں۔ اگر بقول شیعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان سے عداوت تھی تو روکنے کے بجائے میدانِ جنگ میں جانے کی ترغیب دیتے اور ان کی شہادت کو مسلمانوں کیلئے راحت تصور کرتے۔

اسی طرح کا ایک دوسرا مشورہ غزوۂ فارس کے موقع پر بھی مذکور ہے۔ نہج البلاغہ جلد اول مطبوعہ مصر صفحہ ۲۸۳ میں ہے:۔

'' ومن كلام له عليه السلام لعمر بن الخطاب وقد شاوره فی غزوة الفرس بنفسه ان هٰذا الامر لم يكن نصره ولا خذلانه بكثرة ولا قلة وهو دين الله الذی اظهره وجنده الذی اعده وامدّه حتیٰ بلغ مابلغ وطلع حيث طلع ونحن علیٰ موعود من الله والله منجز وعده و ناصر جنده ومكان القيّم بالامر مكان النظام من الخرز يجمعه ويضمه فان انقطع النظام تفرق الخرز وذهب ثم لم يجتمع بحذافيره ابداً والعرب اليوم وان كانو اقليلافهم كثيرون بالاسلام وعزيزون بالاجتماع فكن قطباً واستدرالرحیٰ بالعرب واصلهم دونک نار الحرب فانک ان شخصت من هٰذاالارض انتقضت عليک العرب من اطرافهاو اقطارها حتیٰ يكون ماتدع ورائک من العورات واهم اليک ممابين يديک ان الاعاجم ان ينظر وا اليک غداً يقولواهٰذا اصل العرب فإذا قطعتموه استرحتم فيكون ذلک اشد لكبهم عليک وطعمهم فيک واما ماذكرت من مسيرة القوم الیٰ قتال السملمين فان الله سبحانه هوا كره لمسيرهم منک وهواقدر علیٰ تغيير مايكره واما ماذكرت من عددهم فانالم نكن نقاتل فيما مضیٰ بالكثرة وإنما كنا نقاتل بالنصرة والمعونة '' (نہج البلاغہ:۱/۴۱۶مطبوعہ لاہور)

'' جناب امیر علیہ السلام کا کلام ہے حضرت عمر بن خطابؓ سے جبکہ انہوں نے جناب امیر سے مشورہ لیا ایران کی لڑائی میں خود اپنے جانے کے متعلق، بہ تحقیق اس کام کی فتح وشکست کثرتِ لشکر و قلتِ لشکر سے نہیں ہے اور وہ اللہ کا دین ہے جس کو اس نے (سب پر) غالب کیا اور یہ اس کا لشکر ہے جس کو اس نے مہیا کیا اور بڑھایا یہاں تک کہ پہونچا جہاں تک پہونچا اور طلوع ہوا جہاں سے طلوع ہوا اور ہم لوگوں سے اللہ کا وعدہ ہے اور اللہ وعدے کو پورا کرنے والا ہے اور اپنے لشکر کا مددگار ہے اور قیم بالامر (یعنی خلیفہ) کی وہ حیثیت ہوتی ہے جو ہار کے دانوں میں دھاگے کی ہوتی ہے کہ وہ دھاگہ ان سب دانوں کو جمع کئے ہوئے اور ملائے ہوئے رہتا ہے اگر دھاگہ کٹ جائے تو سب دانے منتشر ومتفرق ہوجاتے ہیں پھر کبھی اپنی پہلی وضع پر جمع نہیں ہوتے، اہل عرب آج اگر چہ کم ہیں مگر اسلام کے سبب سے کثیر ہیں اور باہمی اتحاد کے باعث باعزت ہیں، پس آپ قطب بن جائیے اور چکی کو عرب سے گردش دیجئے اور دوسرے لوگوں کو آتشِ حرب میں ڈالئے خود نہ پڑیے، کیونکہ اگر آپ اس سرزمین (مدینہ) سے اٹھے تو تمام عرب ہر چہار طرف سے آپ پر

(پروانوں کی طرح سے) ٹوٹ پڑیں گے، نتیجہ یہ ہوگا کہ مدینہ خالی ہو جائے گا (اور) اپنے پیچھے جن مقامات کو آپ بے حفاظت چھوڑ دیں گے وہ سامنے کی لڑائی سے زیادہ اہم ہو جائیں گے (پھر دوسری بات یہ ہے کہ) عجمی لوگ جب کل آپ کو میدان جنگ میں دیکھیں گے تو کہیں گے کہ یہ شخص عرب کی جڑ ہے اگر اس کو کاٹ ڈالو گے تو ہمیشہ کیلئے آرام پا جاؤ گے؀لہٰذا یہ خیال ان کے حملے کو سخت اور ان کی امیدوں کو قوی کر دے گا، باقی رہا یہ کہ جو آپ نے ذکر کیا کہ فوجِ عجم مسلمانوں کے قتل کے لئے روانہ ہو چکی ہے تو اللہ سبحانہ کو ان کی یہ روانگی آپ سے زیادہ ناپسند ہے اور وہ جس چیز کو ناپسند کرے اس کے بدل دینے پر قادر ہے اور جو آپ نے ان کی کثرت بیان کی تو بات یہ ہے کہ ہم لوگ زمانۂ گذشتہ میں اپنی کثرت کے باعث قتال نہ کرتے تھے بلکہ خدا کی مدد پر بھروسہ کر کے لڑتے تھے''

حضرت علی مرتضیٰ ﷺ کا یہ کلام بھی حضرت عمر فاروقِ اعظم ﷺ کے ساتھ ان کی محبت واخلاص اور عقیدت کو روزِ روشن کی طرح ظاہر کر رہا ہے چند فوائد اس کلام کے حسب ذیل ہیں:

۱) حضرت عمر ﷺ کے دین کو اللہ کا دین اور ان کے لشکر کو خدا کا لشکر فرمایا۔

۲) حضرت عمر ﷺ کی جماعت میں اپنی ذات کو بھی شامل کر کے فرمایا کہ ہم لوگوں سے خدا نے فتح ونصرت کا وعدہ فرمایا ہے۔

۳) حضرت عمر ﷺ کی ذات والا صفات کو مسلمانوں کا مایۂ نظام فرمایا اور فرمایا کہ یہ نظام آپ کے بعد قیامت تک پھر کبھی نہ ہوگا اس لئے کہ آپ قیّم بالامر ہیں۔

۴) حضرت عمر ﷺ کے زمانے کے عربوں کو باوجود قلت کے بوجہ اسلام کے کثیر اور بوجہ باہمی اتحاد کے باعزت فرمایا، معلوم ہوا کہ حضرت عمر ﷺ کے زمانہ تک باہمی رنجش وعداوت کے سب قصے غلط اور خود تراشیدہ ہیں۔

۵) حضرت عمر ﷺ کو میدان جنگ میں جانے سے یہ کہہ کر روکا کہ آپ کے بعد یہاں کا انتظام خراب ہو جائے گا اور دشمن لڑائی میں بڑی کوشش کریں گے، اس خیال سے کہ آپ کے بعد ان کو ہمیشہ کیلئے چین مل جائے گا۔

۶) حضرت عمر ﷺ کے ساتھ مسلمانوں کی جاں نثاری اور محبت کو بیان فرمایا۔

۷) حضرت عمر ﷺ کے ساتھیوں کی شکست اور ان کے دشمنوں کی فتح کو خدا کا ناپسندیدہ اور مکروہ امر فرمایا۔

۸) حضرت عمر ﷺ کو زمانہ گذشتہ کے غزوات اور ان کو خدا کے الطاف وعنایات کی یاد دلا کر تسکین دی۔

اسی کے ساتھ بہت سے تاریخی واقعات ہیں جن سے ان حضرات کے درمیان محبت ومودت اور خوشگوار حالات کا پتہ چلتا ہے، شیخین رضی اللہ عنہما کی اقتدا میں حضرت علی ﷺ کا ہمیشہ نماز پڑھنا اور ان کو ہر اہم معاملے میں مفید مشورے اور اچھی رائے دینا،

اپنی بیٹی ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا جو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھیں، یعنی رسول اللہ ﷺ کی نواسی تھیں، حضرت فاروقِ اعظم ؓ کے نکاح میں دینا۔ سنی اور شیعہ دونوں کی کتابوں میں اس نکاح کا تذکرہ ہے، بخاری شریف ''کتاب الجهاد باب حمل النساء القرب''، میں نیز فتح الباری شرح بخاری للعسقلانی میں بھی یہ ہے اور شیعوں کی سب سے اقدم اور اعلیٰ کتاب کافی میں تو ایک باب ہی ''باب تزویج ام کلثوم رضی اللہ عنہا'' کے عنوان سے ہے، اسی طرح حضرت علی ؓ نے اپنے صاحبزادوں کا جو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ دوسری بیبیوں کے بطن سے تھے، ابوبکر ؓ وعمر ؓ اور عثمان ؓ نام رکھا، جو میدانِ کربلا میں حضرت حسین ؓ کے ساتھ شہید ہوئے، دیکھئے جلاء العیون۔

اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ تینوں خلفاء کو نہایت مقدس جانتے تھے اور ان سے بڑی محبت رکھتے تھے، حتیٰ کہ اپنے لڑکوں کے نام بھی ان کے نام پر رکھے؛ تاکہ وہ نام بار بار زبان پر آئیں اور کانوں میں پہونچیں۔ (تلخیص از مضامین امام اہلسنت مولانا عبدالشکور فاروقی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ)

مذکورہ دلائل اصل موضوع سے متعلق بہت اختصار کے ساتھ پیش کئے گئے ہیں، صرف اس حقیقت کا اظہار مقصود ہے کہ حضرات صحابۂ کرامؓ پوری امت کے مقتدا و پیشوا تھے، ان سے عقیدت ومحبت قائم رکھنا مطلوبِ شریعت ہے، ان کو کسی بھی طرح متہم کرنا یا ان کی طرف سے سوءظنی کا شکار ہونا قرآن مجید اور احادیث مبارکہ سے کھلی ہوئی بغاوت ہے، جس کو کوئی صاحبِ ایمان ایک لمحہ کیلئے بھی گوارہ نہیں کرسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عداوتِ صحابہ ؓ سے محفوظ رکھے۔